بسم اللہ الرحمن الرحیم

تبدیلی ایک ناگزیر ضرورت

خطبہء جمعہ بابت: شوال، ۱۴۳۷ھ، مطابق: جولائی ۲۰۱۶ء

منجانب:..آل انڈیا امامس کونسل

نحمده و نصلي على رسوله الكريم، أما بعد! فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم

”تلک الأيام نداولها بين الناس، و ليعلم الله الذين آمنوا، و يتخذ منهم شهداء، و الله لايحب الظالمين “. (آل عمران: ۱۴۰)

قال عليه السلام: "ألا! إن في الجسد لمضغة، إذا صلحت صلح الجسد كله، و إذا فسدت فسد الجسد كله، ألا ! وهي القلب".

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم   جہادِ زندگانی میں یہ ہیں مومن کی شمشیریں

معزز سامعین کرام!

آج ہماری گفتگو کا عنوان ہے ”تبدیلی“۔تبدیلی ایک فطری اصول ہے۔اس سے گزر کر ہی ہر انسان؛ بلکہ ہر مخلوق کی زندگی گزرتی ہے۔جس میں تبدیلی نہیں اسے جمادات کہتے ہیں۔ہم بار ہا سنتے ہیں کہ ”فتوی حالات کے مطابق دیے جاتے ہیں“ لیکن کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ حالات کا شکار ہوکر قرآن وسنت کو بدل دیا جائے؟ اگر ایسا ہوا تو اس کو ہم تحریف کہتے ہیں۔حالات کے لحاظ کا مطلب یہ ہے کہ ہر زمانے کے حالات کو سامنے رکھ کر قرآن وحدیث کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔جاں نثار صحابہؓ نے اسی نظریے کو سامنے رکھتے ہوے چہار دانگ عالم میں اسلام کا ڈنکا بجایا ہے۔

علمی وفکری تبدیلی:

ہر تبدیلی ایک فکر کا نتیجہ ہوتی ہے۔تاریخ شاہد ہے کہ ہر زمانہ کے انقلاب کے پیچھے ایک عظیم فکری تبدیلی کارفرما ہے۔اموی اور عثمانی خلافت کی داغ بیل ہو یا مغل سلطنت کی بناء، سب ایک فکری تبدیلی کی بنیاد پر کھڑی ہے۔آج ہمارے یہاں تبدیلی کی فکر ہے؛ مگر بہت سطحی، ہمارے پاس انقلابی سوچ ہے؛ مگر وقتی۔نہ اس میں دوام ہے نہ مضبوطی۔نہ استقلال ہے نہ گہرائی۔اس طرح کی کمزور بنیادوں پر کسی بھی مضبوط اور ہمہ گیر تبدیلی کی عمارت تعمیر نہیں کی جاسکتی ہے۔جو بھی عمارت اس پر کھڑی کی جائے گی پائدار نہیں ہوگی۔

تبدیلی کے طلب گاروں کے لیے ارادے کی مضبوطی۔خوف سے آزادی۔کامیابی کا عزم۔اور جہد مسلسل۔اولین شرط ہے۔کیا ہمارے دلوں میں یہ انقلابی شرطیں موجود ہیں؟۔اگر ہیں تو پھر اس کے بارآور نتیجے کے لیے ہم پرامید ہوسکتے ہیں۔جو عناصر تبدیلی کے قائل نہیں ہیں، وہ زمینی حقائق کے منکر ہیں، وہ قلبی مریض ہیں، جن کا مرض روزافزوں اضافہ پذیر ہے۔ان کے لیے اللہ تعالی نے فرمایا: ”في قلوبهم مرض، فزادهم الله مرضا“۔(بقرہ:)

اگر نہیں بدلیں گے تو اللہ ہمیں طغیان میں بھٹکتا چھوڑ دیں گے، ہمارا ذہنی اور فکری اور قلبی توازن برقرار نہیں رہے گا اور ہم بے راہ روی کے دل دل میں پھنس کر برباد ہو جائیں گے۔ ”و نقلب أفئدتهم، و أبصارهم، كما لم يؤمنوا به أول مرة، ونذرهم في طغيانهم يعمهون“. (انعام:۱۱۰)

عوام میں فکری تبدیلی اور علمی انقلاب کی روح پھونکنے کی ذمہ داری ہم سب کی ہے۔مثبت اقدام کرنے کے لیے قلبی لحاظ سے مضبوطی پیدا کرنا ایک نہایت اہم کام ہے۔رسول اللہ ﷺ نے اس کو بہت واضح انداز میں ظاہر فرمایا ہے: ”سنو! مجھے میرے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمھیں ان تمام حالات سے باخبر کراؤں جن سے تم ناواقف ہو“۔ "ألا ان ربي أمرني أن أعلمكم ما جهلتم مما علمني يومي هذا"......(مسلم، ج:۴/ ۲۱۹۷، باب الصفات اللتي تعرف بها الدنيا)

انفرادی تبدیلی:

فرد سے افراد اور افراد سے خاندان بنتا ہے اور پھر خاندان سے معاشرہ۔ہر فرد اپنی اصلاح کے لیے فکرمند ہو جائے تو تبدیلی کے لیے زیادہ وقت درکار نہیں ہوگا۔آج ہر انسان اصلاح اور تبدیلی کا داعی ہے، محرک اور پرجوش رہنماء ہے؛ مگر کوئی بھی اس کی ابتداء اپنی ذات سے کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ہر کوئی نیک صالح بزرگ کو پسند کرتا ہے؛ لیکن خود کو اس لائن میں کھڑا کرنے کے لیے نہیں سوچتا۔ہر گھر میں ایک مجاہد آزادی اور ایک گاندھی چاہیے اور اس کی ضرورت بھی ہے؛ مگر وہ دوسروں کے گھر میں اس کی پیدائش کی امید رکھتے ہیں۔خود کوئی ابوالکلام بننے کے لیے تیار نہیں ہے۔ہر شخص ایک صالح ماحول کی حمد سرائی کرتا ہے؛ مگر کوئی اس کی بنیاد بھی

اپنے گھر میں رکھنا نہیں چاہتا۔ کیا اس طرح سے تبدیلی ممکن ہے؟ تبدیلی کے لیے جب تک ہر انسان اپنی ذات سے تیار نہیں ہوتا ہے۔ اس سمت میں تبدیلی کی توقع رکھنا سراب کو پانی سمجھنے کے مترادف ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے: ''يأيها الذين آمنوا عليكم أنفسكم، لايضركم من ضل اذا اهتديتم''. (مائدہ:۱۰۵)

بہت سی مضبوط اینٹوں کو جوڑنے کے بعد ایک چھت کو اُٹھانے والی دیوار بنتی ہے۔ اگر اس میں کمزور اور بوسیدہ اینٹیں ڈال دی گئیں تو پھر عمارت کھڑی نہیں رہے گی۔ اسی طرح کمزور اور غیر صالح افراد پر مشتمل خاندان کبھی بھی مضبوط معاشرہ تیار نہیں کر سکتا ہے۔

اجتماعی وسماجی تبدیلی:

''تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ'' (تحریم:۶) یہ آیت انفرادی، اجتماعی، سماجی اور معاشرتی ''بدلاؤ'' کے لیے بہترین نظریہ فراہم کرنے والی اور بہت بڑی ذمہ داری عائد کرنے والی ہے۔ ایک مومن جو اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی دوسروں کے لیے بھی چاہتا ہے۔ دل کی صفائی کے ساتھ دوسروں کی خیر و بھلائی کے لیے سوچنا ہماری ڈیوٹی ہے۔ ہمارے ذاتی اخلاق، معاملات اور معاشرت ہی دوسروں کی اصلاح کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ سماج کی تعمیر میں صالح خاندان ہی کا رول نمایاں ہوتا ہے۔ آج خال خال ہی ایسے خاندان میسر ہوں گے جن پر صالح معاشرہ کی بنیاد قائم ہو سکتی ہو۔ ابھی زیادہ دن نہیں گزرے ہیں ہم رمضان جیسے بابرکت مہینے کے خیر نچھاور کرنے والے ماحول سے باہر آئے ہیں۔ کیا آپ کہ سکتے ہیں کہ آپ کی رمضان کی زندگی اور شوال کے طرزِ زندگی میں کوئی فرق اور تبدیلی نہیں ہے؟ کیا ہم نے جس طرح اپنے رب کو خوش کرنے کی کوشش کی ہے کیا اسی طرح اپنے ماں باپ، بھائی بہن، دوست واحباب، رشتے دار کو بھی خوش کیا ہے؟ دونوں کا یکساں ہونا ایک ناقابل اعتماد نظریہ ہے۔ کہتے ہیں کہ ''زندگی رمضان کی طرح گزارو تو موت عید کی طرح ہوگی''۔ لیکن کیا اس کے لیے ہم نے کوئی مضبوط ارادہ کیا ہے؟۔

قومی اور ملکی تبدیلی:

موجودہ حالات میں تجزیہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہر انسان نے اپنی اپنی طرف سے اپنی ذمہ داریاں محدود کر لی ہیں۔ کسی نے صرف نماز پڑھنے کو اپنی نجات کے لیے کافی سمجھ لیا ہے تو کسی نے عبادات کو ہی مکمل دین سمجھ رکھا ہے۔ ایک آدمی صدقہ کو عبادت سمجھتا ہے مگر عین اسی وقت ایک محبوس انسان کی رہائی کو دین سے الگ باور کرتا ہے۔ کچھ لوگ عزت وعظمت کو اپنا حق بنا لیا ہے تو دوسروں کی تذلیل وتحقیر کو اپنا مشن بھی۔

اسلام دنیا اور آخرت کا تعارف تو کراتا ہے؛ مگر دین اور دنیا کی کسی تقسیم کا اسلام رَوادار نہیں۔ اسلام میں دنیا اور آخرت دونوں دین دار لوگوں کے لیے ہیں۔ اس کا مطلب یہ کہ دنیا کو بھی دین بنانا ہے اور آخرت کو بھی۔ جب تک دین نہیں ہوگا کامیابی نہیں مل سکے گی۔

آخرت کی کامیابی عذاب قبر وحشر اور سختیٔ حساب وکتاب سے نجات اور جنت کا دخول اور دیدارِ باری تعالیٰ کا حصول ہے۔ دنیا کی کامیابی یہ ہے کہ ہم دنیا کو ''جنت نشاں'' بنا ڈالیں۔ سب کی تعمیر، سب کی ترقی، سب کی عزت، سب کی تعظیم، سب کی عافیت، سب کا تحفظ اور سب کی خوشحالی۔

دنیا کو ''جنت نشاں'' بنانے کے لیے ضرورت ہے قومی اور ملکی تبدیلی کی۔ جس ملک میں ہم زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ ایک بہترین دستور کا حامل ملک ہے۔ جس میں سب کو حق، انصاف، تحفظ، برابری، عزت، خوشحالی اور تعمیر وترقی کے مواقع فراہم کیے گئے ہیں۔ جن کا حصول (دین کی روشنی) میں ہمارے لیے دنیا کو ''جنت نشاں'' بنا سکتا ہے۔ کیا ان کو حاصل کرنے کے لیے ہم تیار ہیں؟ ہمارے پاس ان کے حصول کے لیے کوئی منصوبہ ہے؟ ہم اس کے لیے کوئی کام کر رہے ہیں؟ یا اس کے لیے قوم میں کچھ بیداری پیدا کرنے کے رَوادار ہیں؟؟؟ یہ ہے ''قومی تبدیلی'' کا نقطۂ آغاز۔ ہم (مسلمانوں) نے یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ ساری چیزیں دنیا ہیں اور دنیا ہمارے لیے نہیں بنائی گئی ہے۔ اس سوچ کے ساتھ ہم تعمیر ملک اور ترقی قوم وملت کے کاز میں حصہ دار بن سکیں گے؟ آج قوم میں اس تبدیلی کی ضرورت ہے۔ دینی سطح پر بھی اور اخلاقی معیار پر بھی۔ ہمارا دین، دنیا سے الگ کوئی چیز نہیں۔ دنیا کو خدائی نظام کے مطابق چلانے کا نام ہی تو دین ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ ''حسنة في الدنيا'' عافیت، وسیع گھر، زوجۂ حسنہ، علم نافع، عمل صالح، رزق واسع، مرکب ھنیء (بہترین سواری) اور ثناء جمیل (اچھا نام) وغیرہ کے مجموعہ کا نام ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

یہ چیزیں فرد اور خاندان سے اُٹھ کر ملک کے ہر انسان؛ بلکہ دنیا کے انسان کو فراہم ہونی چاہییں۔ اس کے لیے کام کرنے کا نظریہ اسلام نے دیا ہے۔ ''كنتم خير أمة أخرجت للناس'' تم بہترین امت اسی لیے ہو کہ تم کو انسانوں کے لیے کام کرنے کی ڈیوٹی دی گئی ہے۔

''ان الله لا يغير مابقوم حتى يغير ما أنفسهم، و اذا أراد الله بقوم سوء فلا مرد له''......(رعد:۱۱، ۱۲)

تبدیلی کے لیے ہم کو تیار رہنا ہوگا۔ جب تک ہم ذہنی، فکری، علمی، عملی، سماجی، معاشی، سیاسی اور دفاعی طور پر تبدیلی کے لیے قلب وعمل سے تیار نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالی بھی ہماری حالت، حیثیت اور منزلت کو نہیں بدلے گا۔ یہی خدائی قانون کا عالمی نظام ہے۔

علامہ طبریؒ فرماتے ہیں کہ: ''کسی بھی قوم کی ذلت ونکبت کو بدل کر عافیت اور نعمت اسی وقت دی جاتی ہے جب کہ وہ قوم خود باہمی عداوت اور آپسی ظلم وستم کو ختم کردے''۔(الالفاظ والمصطلحات، ص:۳۰۰)

آج فسطائیت اور بھگوائیت کے بڑھتے قدم کو روکنے اور اباطیل اور مظالم کے خلاف حق کی آواز اُٹھانے کے لیے ایک مردِ آہن کی ضرورت ہے۔ جو ایمانی قوت اور اعتمادی صلابت کے بعد ہی ممکن ہوسکتا ہے۔ایک مومن کی پہچان یہ ہے کہ وہ خود خوف وہراس اور احساسِ کمتری سے نکل کر دوسروں میں اعتماد پیدا کرے۔ ہر رکاوٹ کا مثبت حل اور ہر کمی کا مؤثر سبب پیش کرے۔مؤمن کی صفات اللہ تعالی اس طرح بیان فرماتا ہے:

''الذين قال لهم الناس ان الناس قدجمعوا لكم فاخشوهم، فزادتهم إيمانا، و قالوا: حسبنا الله و نعم الوكيل''. (آل عمران:۱۷۳)

ثابت قدم مؤمن وہ لوگ ہیں جنھیں اس طرح ڈراتے ہیں کہ 'سارے لوگ تمھارے خلاف اکٹھا ہو چکے ہیں، ان سے بچ کے رہو' تو ان کا ایمان اور مضبوط ہو جاتا ہے اور وہ کہہ اُٹھتے ہیں: ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہ سب سے اچھا کارساز ہے۔

''و هو القاهر فوق عباده ، و يرسل عليكم حفظة''. (انعام:۱۸)

جس طرح سے اس کی ذات سب پر غالب ہے اسی طرح اس کے محافظ دستے فرشتے بھی سب پر غالب اور فائق ہوتے ہیں۔

''و نبلوكم بالشر و الخير فتنة و الينا ترجعون''. (انبیاء:۳۵)

حالات اور مصائب کی آندھیوں سے ٹکرا کر آگے بڑھانے والا اور فتنوں اور آزمائشوں سے گزر کر ترقی کی راہ پر گامزن کرنے والا عزم ہی انسان کو کامیابی کی منزل طے کراتا ہے۔جس عزم میں بلندی اور جس سوچ میں قوت نہ ہو وہ اپنی طرف ترغیب پیدا کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھتی ہے۔ یہ بات یاد رکھیں کہ: طوفان ہمیشہ اونچے پہاڑوں سے ہی ٹکراتا ہے۔

''لينصرن الله من ينصره ان الله لقوي عزيز''. (حج:۴۰)

ارض اللہ پر قانونی الٰہی کا نفاذ اور خدمت خلق کی عملی شکل ہی ''نصرتِ دین اللہ'' ہے۔جس پر ''مددِ الٰہی'' میسر ہوتی ہے۔اللہ کی مدد ہمارے انتظار میں ہے۔

اعطيت ملكا فلم أحسن سياسته　　　و كل من لايسوس الملك يخلعه

تدبیر عباد وبلاد کی تحسین پر حکومت ملتی ہے، جو نظام مملکت کو سنبھال نہیں سکتا ہے، اس سے اقتدار وحکومت چھین لی جاتی ہے۔

"قال أحد الدعاة المعاصرين: "أقيموا دولة الاسلام في قلوبكم ، تقم لكم على أرضكم"۔(التعلیقات الأثریۃ علی العقیدۃ الطحاویۃ، ص:۴۲)

عصر حاضر کے کسی داعی نے بہت خوب کہا ہے: ''تم پہلے اپنے دلوں میں اسلامی نظام نافذ کرلو تو خود بہ خود تمھاری زمین پر اس نظام کا نظارہ دکھائی دینے لگے گا''۔

حوصلے کی بلندی ہی انسان کو آگے بڑھاتی ہے۔آیئے! ہم تطہیر قلب اور تخلیص نیت کی چادر اوڑھ کر، بلند حوصلگی کے ساتھ، خدمت قوم وملت اور تقویت ملک و امت کے کام کے لیے کمربستہ ہوجائیں اور ایک ایسی تبدیلی کا آغاز کریں جسے زمین وآسمان کی آنکھیں بھی دیکھ کر متحیر ہوجائیں اور تاریخی دنیا میں ایک نئے باب کا آغاز واضافہ ہو۔ ہمارا مطالبہ قرآن وسنت اور آئین وقانون اور دستورِ ہند کی روشنی میں برپا کی جانے والی ''تبدیلی'' ہے۔

جب حوصلے بلند ہوں، کامل ہو شوق بھی　　　تو وہ کام کونسا ہے جو انساں نہ کرسکے

و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

☆☆☆☆